تری بگیا لُہو لُہان (پہلا حصہ)

احفاظ الرحمٰن

(جالب امن ایوارڈ کمیٹی کے زیرِ اہتمام، جس کے سکریٹری، جالب صاحب کے بھائی، معروف کالم نویس اور افسانہ نگار، جناب سعید پرویز ہیں، 30 اپریل کو کراچی پریس کلب میں ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ ایک روز قبل اس شہر کی سڑکوں نے ایک بار پھر وحشت اور بربریت کا لرزہ خیز رقص دیکھا۔ یہ مضمون اسی تقریب میں پڑھنے کے لیے لکھا گیا تھا۔ گھر سے باہر نکلنے کے راستے مسدُود تھے، اس لیے یہ ممکن نہ ہوا)

....

حبیب جالب ہمارے درمیان نہیں ہیں، لیکن انصاف سے محروم ہماری ویران بستیاں ان کی دل کش یادوں کے تصوّر سے ہمیشہ آباد رہیں گی۔ آج کی اندھیر نگری میں اُن سے جدائی پہلے سے زیادہ کرب ناک محسوس ہوتی ہے۔ وہ ہوتے تو اس خرابے میں زندگی کی جنگ لڑنے والے لوگ خود کو کہیں زیادہ توانا اور دولت مند محسوس کرتے۔ اُن کی آواز کس قدر طاقت وَر، انقلاب آفریں اور حیات پرور تھی، ہمارے ادب کا موجودہ ویران اور گونگا پیش منظر زبانِ حال سے اس حقیقت کی گواہی دے رہا ہے۔ اُن کی للکار ہواؤں میں گونجتی تھی تو مظلوموں کی دنیا کا ایک ایک گوشہ تڑپ کر ان کی پزیرائی کے لیے اپنی بانہیں وَا کر دیتا تھا۔ اس آواز کی روشنی ہمارے لُہو میں رقص کرتی تھی، ہواؤں کے ساتھ سفر کرتی تھی، ایک دل سے دوسرے دل میں منتقل ہوتی تھی، اشک بار آنکھوں کو دِلاسا دیتی تھی، اور ان کے اندر ظالمانہ اور نفرت انگیز سیاسی اور اقتصادی نظام کے خلاف طیش کی چنگاریاں بھر دیتی تھی۔ اونچے ایوانوں کی دیواریں اس آواز کی سچّائی سے پُھوٹنے والی ہیبت سے لرزتی تھیں۔ اقتدار اور اختیار کی فصیلیں اُس کی دھمک سے زمیں بوس ہو جاتی تھیں۔ یہ صرف ایک آواز کے حُسنِ آوارگی کا اعجاز تھا کہ اس نے خارزارِ پاکستان میں اُمیدوں کی فصل کو کبھی ویران اور بے زباں نہیں ہونے دیا۔

آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ جتنا اندھیرا آج ہے، شاید رات اتنی گہری پہلے کبھی نہ تھی۔ اس رات کے دامن میں جالب صاحب کی سُخن وَری کے لیے کتنے ستارے جگمگا رہے تھے، وہ ہوتے تو اس بزم کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ ایک سے بڑھ کر ایک موضوع ان کے سامنے عرض گزار ہوتا.... عراق، افغانستان، وزیرستان اور سوات میں امریکی بھیڑیوں کی خوں ریزی.. فوجی آمر پرویز مشرف کے خوف ناک مظالم...وُکلاء کی بے مِثل جدوجہد اور اس جدوجہد کی پُشت میں گھونپا گیا آصف زرداری اور ان کے لندن کلب کا قلابازیاں کھاتا ہوا خنجر... چاروں سمتوں میں جُونی، وحشی طالبان کے خود کُش حملے اور ان کے حامی شاطر صحافیوں کی پُرفریب تحریریں... مصلحت اور منافقت کے غار میں پناہ ڈھونڈنے والے قانون کے رکھوالے... بات بات پر کفر کے فتوے...تن سے سر جُدا کرنے والی اندھی تلواریں... معصوم بچیوں کے ذبح شدہ اسکولوں کے خُون کا سیلاب... بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کے مزاروں پر بم باری... مسجدوں اور امام بارگاہوں کی لُہو پوش دیواریں...نازک بدن، بے گناہ عورتوں پر کوڑوں اور بُہتان کی بارش...مختلف عقیدہ رکھنے والے عُلماء کا قتل اور قبر سے لاشیں نکال کر بجلی کے کھمبوں پر ان کی نمایش...سات پردوں کے پیچھے مستور بے کس سہمی ہوئی عورتوں کی آنسوؤں سے بھری آنکھیں...قانون ساز اسمبلی میں سنّاٹے کی زبان سے آناً فاناً نظامِ عدل ریگولیشن کی منظوری...عدالتوں، جمہوری نظام اور سبز اور سفید عماموں کے خلاف کُفر کے فتوے...بلوچستان میں ہونے والے لرزہ خیز مظالم پر برسرِ اقتدار طبقوں کی مُجرمانہ تاویلات...قدم قدم پر فوجی چوکیوں کا پہرا...قدم قدم پر زباں بندی اور غداری کی اَسناد کا ہُجوم...ایجنسیوں کے ہاتھوں پُراسرار طور پر قتل اور لاپتا ہونے والوں کی طویل فہرست...منہگائی کی خوف ناک بھٹی میں سُلگنے والے مفلوک الحال عوام کی لرزا دینے والی بے بسی...اور اہلِ اقتدار کے شبستانوں میں چھنکتے چھلکتے پیمانوں کی نغمہ باریاں...

تو ان قابلِ نفرت مناظر کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے آج حبیب جالب کی کمی ہمیں شدّت سے محسوس ہوتی ہے اور ان کی للکار شدّت سے یاد آتی ہے۔ اُمیدوں کی مُرجھائی فصلوں کے بیچ وہ عوام کے عزم و حوصلے کو آتش فشاں میں تبدیل کر دیتے تھے۔ اب اقلیمِ سُخن میں کوئی ویرانی سی ویرانی ہے! اُن ہی کا ایک مشہور شعر بار بار دل کو کچوکے لگاتا ہے ؎

کوئی تو پرچم لے کے نکلے اپنے گریباں کا جالب

چاروں جانب سنّاٹا ہے، دیوانے یاد آتے ہیں

آپ کہہ سکتے ہیں کہ جالب کے اشعار تو زندہ ہیں، جن میں انہوں نے ظلم کی تمام صُورتوں کو بے نقاب کیا ہے۔ لیکن وہ جیتا جاگتا جالب کہاں ہے، جس کے اشعار اس کی آواز کے اُتار چڑھاؤ، آنکھوں میں سُلگتی چنگاریوں، طوفاں بہ داماں ترنّم اور لہراتے ہاتھوں اور برجستہ فقروں کے ساتھ سُننے والے کے دلوں کی دھڑکنوں میں شامل ہو جاتے تھے، روح کو گرماتے تھے اور جسم کی رگوں میں دوڑتے تھے، غریبوں اور مظلوموں کے لیے مرہم اور امیروں اور مَسند نشینوں کو موت کا پیغام سُناتے تھے۔ آج اتنی منتشر خیالی کیوں ہے، جالب جو نہیں ہے۔ ونسٹن چرچل کا ایک قول سینکڑوں بار نقل کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے کہا تھا، ''ہماری عدلیہ کام کر رہی ہے تو ہمیں کسی بھی انتشار کا خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔'' ہماری عدلیہ تو نظریۂ ضرورت کے جوہڑ میں غرق تھی۔ اس لیے، ہم کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس جالب ہے نا! جب تک جالب، جس کا وجود ہر آمر، ہر جابر کے سینے میں نیزے کی اَنی بن کر کھٹکتا ہے، ہمارے درمیان موجود ہے، اُس وقت تک ہماری آنکھیں جاگتی رہیں گی، اس کی صدا ہمیں یاد دِلاتی رہے گی کہ دل و جاں نذرِ صحرا ہو گئے ہیں، جہل مسند نشیں ہے، اور ہماری بگیا لُہو لُہان ہے ؎

ہریالی کو آنکھیں ترسیں

بگیا لُہو لُہان

پیار کے گیت سُناؤں کس کو

شہر ہوئے ویران

بگیا لُہو لُہان

چھلنی ہیں کلیوں کے سینے، خون میں لت پت پات

اور نہ جانے کب تک ہوگی اشکوں کی برسات
دنیا والو، کب بیتیں گے دُکھ کے یہ دن رات
خُون سے ہولی کھیل رہے ہیں دھرتی کے بلوان
بگیا لُہو لُہان
ڈستی ہیں سورج کی کرنیں
یگ یگ موت کے گہرے سائے
جیون موت سمان
چاروں اور ہوا پھرتی ہے لے کر تیر کمان
بگیا لُہو لُہان

''برگِ آوارہ'' میں حبیب جالب غزل کے ایک باکمال شاعر کے روپ میں اُبھرے، اور ان کے مُتعدد اشعار زبان زدِ خاص و عام ہوئے ے

یہ اعجاز ہے حُسنِ آوارگی کا
جہاں بھی گئے داستاں چھوڑ آئے
ایک ہمیں آوارہ کہنا کوئی بڑا الزام نہیں
دُنیا والے دل والوں کو اور بہت کچھ کہتے ہیں
ابھی جو پاس سے گزری ہے خاک اُڑاتی ہوئی
مشاعرے میں اسی کار سے گیا تھا میں
کوئی جو آ بسے اس دل میں جالب
کبھی اس دل کے دروازے نہ کھولیں!
بہت روئے زمانے کے لیے ہم
ذرا اپنے لیے آنسو بہا لیں!
ہر صبح مری صبح پہ روتی رہی شبنم
ہر رات مری رات پہ ہنستے رہے تارے
تم ایسا نادان جہاں میں کوئی نہیں ہے، کوئی نہیں
پھر ان گلیوں میں جاتے ہو، پگ پگ ٹھوکر کھاتے ہو

اس طرزِ سخن میں وہ اپنے لیے ایک ممتاز مقام حاصل کر چکے تھے، لیکن آسُودگی نصیب نہیں تھی۔ اور بھی دُکھ ہیں زمانے میں محبّت کے سوا۔ ان کے چاروں طرف ظلم اور ناانصافی کے بُھوت منڈلا رہے تھے۔ چاروں طرف لُٹیروں کا راج تھا۔ وہ عیش و عشرت کی شراب میں غرق رقصِ ابلیس کے تماشے دِکھا رہے تھے، ان میں بابو لوگ بھی تھے، وَردی پوش بھی تھے، امریکی سامراج اور سرمایہ داری کے حامی عمامہ پوش بھی تھے، مزارعوں اور مزدوروں کا لُہو پینے والے جاگیردار اور سرمایہ دار بھی تھے، اور اقتدار کی چوکھٹ پر سجدہ کرنے والے اہلِ قلم بھی تھے۔ اور ان کے درمیان گِھرے ہوئے کروڑوں لوگ چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لیے ترس رہے تھے، روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کے لیے اپنے جسم کی ہڈیاں محنت کی احسان فراموش بھٹّی میں جھونک رہے تھے۔ (جاری ہے)

تری بگیا لُہو لُہان (آخری حصہ)

احفاظ الرحمٰن

حبیب جالب کو روایتی ڈکشن بے معنی اور تشنہ محسوس ہونے لگا۔ وہ ناداری کے خارزار سے گزرے تھے، ظلم کے دھاردار خنجروں کو انہوں نے اپنی آنکھوں میں اُترتے دیکھا تھا۔ ان کا دل درد کی آنچ میں سُلگتا تھا، اور ان کا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا۔ بغاوت کے جذبے سے عشق اُن کے مزاج میں رچا بسا تھا۔ ملک میں رائج ظالمانہ سیاسی، اقتصادی اور سماجی لعنتوں کے خلاف نفرت اور غصّے کا اظہار کرنے، معاشرے سے عدم مساوات کی بیخ کنی کرنے اور عوام کو بیدار کرنے کے لیے انہوں نے اقلیمِ سُخن میں اپنا ایک نیا ڈکشن وضع کیا، جو عوام الناس کی اُمنگوں اور ان کے فہم سے قریب تر تھا۔

اس پہلو کو کشش انگیز بنانے میں غصے اور طنز کے تیروں سے آراستہ ان کی نئی لفظیات اور عوام کے پسندیدہ موضوعات کے ساتھ ان کے مصرعوں میں اُمڈتے گرجتے طوفان کے بانکپن اور اور درد میں ڈوبے آہنگ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اسی لیے سارا زمانہ ان کے ساتھ چل پڑا، بہت سارے سُخن وَر تہی دامن رہ گئے ے

ہر دور کے بھکاری شاعرادیب سارے

بکتے قدم قدم پر دیکھے خطیب سارے

بیچا نہیں ہے جالب اپنا ضمیر میں نے

میں خوش نصیب شاعر اور بدنصیب سارے

ہر پھول کے لب پہ نام مرا، چرچا ہے چمن میں عام مرا

شہرت کی یہ دولت کیا کم ہے، گر پاس نہیں ہے مال تو کیا

چھوڑ جائیں گے کچھ ایسی یادیں

روئیں گے ہم کو زمانے والے

جینے کی دُعا دینے والے، یہ راز تجھے معلوم کہاں

تخلیق کا اک لمحہ ہے بہت، بے کار جیے سو سال تو کیا

یہ تعلّی اور خود پسندی نہیں ہے۔فیض جیسے عظیم شاعر نے ان الفاظ میں انہیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے... ''ولی دکنی سے لے کر آج تک کسی بھی شاعر نے اتنی بڑی تعداد وارفتگاں کی نہیں پائی۔ وہ حقیقی معنوں میں عوام کے شاعر ہیں۔''

عوام کی اس شاعری کے بھی دو رنگ ہیں۔ایک رنگ میں ''ایک روپیا من آٹا''،''میں نے اس سے یہ کہا''،''اپنی جنگ رہے گی''،''دستور''،''جمہوریت''،''بیس گھرانے''،''مُشیر''اور''پاکستان کا مطلب کیا؟'' جیسی نظمیں شامل ہیں، اور ایسے محبوب زمانہ قطعات اور اشعار بھی۔

وظیفہ خواروں سے کیا شکایت ہزار دیں شاہ کو دُعائیں

مدار جن کا ہے نوکری پر وہ لوگ تو نوکری کریں گے

ہو گئے حُکم راں کمینے لوگ

خاک میں مل گئے نگینے لوگ

وہ ہو گئے وزیر، شبِ غم گزر گئی

غُربت زدہ عوام کی قسمت سنور گئی

اب ان کی گفتگو میں تحمّل کی لہر ہے

جالب اب ان کے جوش کی ندّی اُتر گئی

اور

لوگ اُٹھتے ہیں جب تیرے غریبوں کو جگانے

سب شہر کے زَردار پہنچ جاتے ہیں تھانے

اے شاعرِ مشرق، یہی جھوٹے، یہی بدذات

پیتے ہیں لُہو بندۂ مزدور کا دن رات

تاہم، اُن کی مزاحمتی شاعری کے دوسرے رنگ میں ''برگِ آوارہ'' میں نُمو پانے والی کلاسیکی علامات اور استعارات کے ساتھ ان کی شاعرانہ خلّاقی عروج پر نظر آتی ہے۔ باغیانہ لہجہ اور اطاعت شکنی کا رویّہ برقرار ہے، لیکن اُسلوب میں ادبی رنگ زیادہ نمایاں ہے۔

ہمیں یقیں ہے کہ انسان اس کو پیارا ہے

خدا تمہارا نہیں ہے، خدا ہمارا ہے

نظمیں اُداس اُداس، فسانے بُجھے بُجھے

مدت سے اشک بار ہیں لوح و قلم یہاں

دُنیائے ادب میں اے جالب اپنی بھی کوئی پہچان تو ہو

اقبال کا رنگ اُڑانے سے تو بن بھی گیا اقبال تو کیا

ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

پتھر کو گُہر، دیوار کو دَر، کرگس کو ہُما کیا لکھنا

ہر سُو فروغِ وہم و گماں دیکھتے چلو

ٹٹتا ہوا یقیں کا نشاں دیکھتے چلو

کہاں قاتل بدلتے ہیں، فقط چہرے بدلتے ہیں

عجب اپنا سفر ہے، فاصلے بھی ساتھ چلتے ہیں

تم سے پہلے وہ جو اک شخص یہاں تخت نشیں تھا

اس کو اپنے خدا ہونے کا اتنا ہی گماں تھا

محبت گولیوں سے بو رہے ہو

وطن کا چہرہ خُوں سے دھو رہے ہو

گماں تم کو کہ رستہ کٹ رہا ہے

یقیں مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو

شاہوں سے جو کچھ ربط نہ قائم ہوا اپنا

عادت کا بھی کچھ جبر تھا، کچھ اپنی زباں تھی

مجھے فکرِ امنِ عالم، تجھے اپنی ذات کا غم

میں طلوع ہو رہا ہوں، تو غروب ہونے والا

مرے ہاتھ میں قلم ہے، مرے ذہن میں اُجالا

مجھے کیا دبا سکے گا، کوئی ظلمتوں کا پالا

جالب کی شاعری کا یہی جمالیاتی رنگ انہیں جیل کی تاریکیوں میں بھی زندگی کی نغمگی اور مٹھاس سے لطف اندوز ہونے کا ڈھب سکھاتا ہے۔ آہنی سلاخوں کے پیچھے سے انہوں نے برصغیر کی عظیم گلوکارہ لتا منگیشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

تیرے مدُھر گیتوں کے سہارے بیتے ہیں دن رَین ہمارے

اور ایک غزل کا شعر ؂

قفس میں مر چلے تھے ہم تو جالب

بچایا ہم کو آوازِ لتا نے

حبیب جالب کی انصاف پسندی نے پہلے پہل اپنے اظہار کو اس وقت کڑکڑاتی بجلیوں میں تبدیل کیا، جب نظریۂ ضرورت کی چھتری تلے ایوبی مارشل لا نے چاروں سمتوں میں سناٹے کو سکۂ رائج الوقت قرار دیا۔ حبیب جالب نے تن تنہا اس کو ہسار کو للکارا، البتہ اس زمانے میں ایک اور مُنحنی سا بہادر آدمی بھی اپنی تقریروں میں طنز و مزاح کے ذریعے ظلم کے خلاف احتجاج کر رہا تھا، جسٹس رستم کیانی۔ لیکن حبیب جالب جیسی آواز کے قائل نہیں تھے، انہوں نے دانش وروں اور سیاست دانوں کے بجائے براہِ راست عوام سے مُکالمے کا آغاز کیا، اور اسی مناسبت سے اپنا منفرد پیرایۂ اظہار وضع کیا۔ وہ معاشرے کی طبقاتی تقسیم کے خلاف تھے، سوشلزم پر ایمان رکھتے تھے اور جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور سول اور ملٹری بیوروکریسی کے ساتھ امریکی سامراج اور مُلّائیت کو کُھل کر مطعون کرتے تھے، غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کی پیشانیوں پر بوسہ دیتے تھے، اور زرداروں کو اپنی ٹھوکر میں رکھتے تھے۔ وہ بنیادی انسانی حقوق اور آزادئ اظہار کے ایک بے مثل مجاہد تھے۔ آج مالاکنڈ میں جس ظالمانہ روش کو پروان چڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور اہلِ قلم کا ایک موقع پرست طبقہ جس طرح اس کی پُشت پناہی کے جُنون میں مبتلا ہے، اس کے تناظر میں برسوں پہلے کہی گئی جالب کی نظم ''عورتوں کا ترانہ'' دیکھیے، ہمیں کیا پیغام سُنا رہی ہے ؂

جہاں ہیں محبوس اب بھی ہم وہ حرم سرائیں نہیں رہیں گی

لرزتے ہونٹوں پہ اب ہمارے فقط دعائیں نہیں رہیں گی

ہیں قتل گاہیں یہ عدل گاہیں، انہیں بھلا کس طرح سراہیں

غلام عادل نہیں رہیں گے، غلط سزائیں نہیں رہیں گی

ایسے لکھاریوں کو حبیب جالب نے کیا خوب مشورہ دیا تھا ؂

بے ضمیری کا اور کیا ہو مآل

اب قلم سے ازار بند ہی ڈال

اور سیاہ ہاتھ رکھنے والے نام نہاد صحافی بھی ہمیشہ ان کے قلم کی زد پر رہے ؂

جینا ہے اگر اس بستی میں اے دوست قصیدہ خواں ہو جا

اخبار میں لکھ ایسی باتیں صاحب کا سکتر جُھوم اُٹھے

اور ؂

لُٹ گئی اس دَور میں اہلِ قلم کی آبرو

بِک رہے ہیں اب صحافی بیسواؤں کی جگہ

ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم نے جالب کو دیکھا، سُنا اور پڑھا۔ ہم بدقسمت ہیں کہ ہم نے جالب کو کھو دیا۔ آج کے گھور اندھیارے میں ہمارا وہ دم ساز ہمارے ساتھ نہیں ہے، ہماری ڈھارس بندھانے والا، ہمارے آنسو پونچھنے والا، ہمیں جینے کا ڈھنگ سِکھانے والا۔ یہ دُرست ہے کہ ان کی للکار ان کے اشعار میں اب بھی زندہ ہے۔ لیکن وہ جیتا جاگتا دیوانہ اور گریباں چاک رکھنے والے دیوانوں کا غم گسار جالب نہیں ہے، جو اپنے اشعار سُناتے ہوئے سر سے پاؤں تک احتجاج اور بغاوت کا اور عزم اور حوصلے کا دیوتا بن جاتا تھا۔

چاروں اور ہوا پھرتی ہے لے کے تیر کمان.... تم کہاں جا بسے ہو جالب؟ تمہاری دنیا تو یہاں ہے، غریبوں، مظلوموں اور دُکھیاروں کی جلتی جُھلستی آرزوؤں کے درمیان۔ تمہاری بگیا پہلے سے زیادہ لُہو لُہان اور سوگ وار ہے، اور تمہیں پُکار رہی ہے، آؤ اور آ کر صدا لگاؤ

ہریالی کو آنکھیں ترسیں

بگیا لُہو لُہان

پیار کے گیت سناؤں کس کو

شہر ہوئے ویران

بگیا لُہو لُہان

چاروں اور ہوا پھرتی ہے لے کر تیر کمان

بگیا لُہو لُہان

....آؤ، اور آ کر صدا لگاؤ،

قاتلو، اب تو کچھ خدا سے ڈرو

باقی ماندہ وطن پہ رحم کرو!!!